قسط دوم:-

جمیل الزھاوی، عراق کا نامور شاعر

جناب مولوی محمود الحسن صاحب ندوی ایم اے علیگ، ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی۔

گذشتہ سے پیوستہ

آرنلڈ کا یہ خیال بہت صحیح ہے کہ شاعر کی عظمت کا راز اس کامیابی میں مضمر ہے کہ وہ نظریہ اور زندگی میں حسین و موثر مطابقت پیدا کرنے میں کامیاب ہو، زھاوی نے اپنی شاعری کو زندگی سے قریب تر لانے میں بڑی محنت سے کام لیا ہے اس کی نظموں میں اس کا ثبوت ملتا ہے، اس نے اپنی شاعری کے ذریعہ جذبات بیدار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اس سلسلہ میں اس کی چند نظمیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں الی فزّان، انین الاوطان این منی ما ارید، عید وما تم، زبان کی خوبی، تراکیب کی چستی اوزان کے ترنم، معانی کی افادیت و بلندی کے اعتبار سے اونچے پایہ کی نظمیں ہیں، "الی فزّان" عراق کی سیاسی زندگی کے ایک پہلو کی عکاسی کرتی ہے اس دور میں جو خوف وہراس پھیلا تھا معاشی بے اطمینانی تھی، اخلاقی انتشار، قید و بند کا عام چرچا، خیالات پر قدغن تھا وہ سنہ ۱۸۶۹ء میں مدحت پاشا کی اصلاحی کوششوں سے بھی دور نہ ہو سکا، بلکہ اس کے بعد حالات اور خراب ہوگئے، جلاوطنی عمر قید کی سزائیں عام تھیں اس نظم میں ایسا ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے اس کو پڑھ کر ہمیں "سعدی" سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ اس نظام کے خلاف جذبہ ابھرتا ہے جس کے تحت ظلم و ستم کا اتنا زبردست بازار گرم تھا، زھاوی نے اس نظم میں بڑا اثر اور حسن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

زھاوی کی شاعری جو تقریباً نصف صدی سے زیادہ طویل دور پر مشتمل ہے، آسانی سے دو عنادین

کے تحت تقسیم کی جا سکتی ہے یعنی سیاسی و اجتماعی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے اور پہلوؤں سے اس کا مطالعہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ میری مراد یہ ہے کہ اس کا بیشتر حصہ ان کے تحت آتا ہے۔

اس کی سیاسی شاعری کا آغاز حکومتِ عثمانی کی مدح سے ہوتا ہے؛ اس دور میں چوٹی کے تمام عرب شعراء جس میں شوقی، حافظ اور رصافی کے نام خاص طور پر لئے جا سکتے ہیں اسی کی مشق میں لگے تھے۔

زھاوی نے آغازِ شباب میں عثمانی خلیفہ اور مسلم افواج کی شجاعت و بہادری کے کارناموں پر فخر و جوش سے بھرپور جذبات کے ساتھ قصائد لکھے ہیں، اس میں عقیدت و وفاداری کے جذبات کا اظہار ملتا ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب عربی قوم پرستی کا سیاسی شعور عربوں میں مقبول نہیں ہوا تھا، عوام جہالت اور اوہام پرستی کے تاریک غاروں میں غفلت کی نیند سو رہے تھے، ترکی میں جدید مغربی خیالات، اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں پیدا ہو چکے تھے کیونکہ ترکی فوجی، سیاسی، اور تعلیمی میدان میں اپنی شکست تسلیم کر چکا تھا، یہ ان حالات سے بے چین تھا، اس کے نزدیک جو جمہوریت آزادی اور معاشی خوش حالی کے جدید تصور سے آشنا تھا، ترکی کی پستی کا واحد علاج نظامِ حکومت کی تبدیلی میں پنہاں تھا چنانچہ مجلسِ اتحاد و ترقی کے پُرجوش اور روشن دماغ نوجوانوں کی مسلسل جد و جہد سے جب ترکی میں اصلاحات کا دور شروع ہوا۔ تو اس سے عرب نوجوانوں میں نئے خیالات اور نئی روشنی کو فروغ پانے کا موقع ملا، دوسری طرف عیسائی مشنریز کے قائم کردہ جدید اسکول، نئی تعلیم، نئے تصورات اور نئے عالم کی تخلیق کے حوصلے کا عرب سرزمین میں مرکز بن رہے تھے، چنانچہ انہیں احساس ہوا کہ تہذیبی اور تعلیمی میدان میں وہ کس قدر پیچھے رہ گئے ہیں، اس احساس نے انہیں بے چین کر دیا اب وہ ترکوں اور اس نظام سے بیزار ہونے لگے جو ان کی عقیدتوں کا مرکز تھے، رفتہ رفتہ اس بیزاری نے نفرت کی شکل اختیار کر لی، قومیت کے مغربی تصور نے پہلی بار خلافت کے مسخ شدہ تصور کی گرفت کو نہ صرف ذہنوں سے کمزور کر دیا بلکہ لوگوں کے دماغ میں اس نئے سیاسی تصور نے گہری جڑیں پیدا کر لیں وہ شعراء جو خلیفۃ المسلمین کے تقدس پر نظمیں لکھتے تھے وہ اسے ظلم و جبر کا نگہبان سمجھنے لگے، زھاوی نے عبدالحمید کی تعریف بڑے پُرزور الفاظ میں کی ہے، وہ کہتا ہے ؎

۳ وفعلك فی الافواه یتلی وفی الوری یشیع وفی التاریخ بعدك یذکر

یود العلی و الحق انك كلما تقابل اعداء السلامة تظهر
الهیك عیون المسلمین باسرهم علی بعدهم فی الشرق والغرب منظر

دیوان الزهاوی ص ۱۰۹

لیکن یہی نظریات کی تبدیلی کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے ؎

۴ ماهی الا دولة مستبدة تسوس بما تقتضی هواها و تعمل
فترفع بالاعزاز من کان جاهلا وتخفض بالاذلال من کان یعقل

آگے کے اشعار میں زیادہ واضح سیاسی فکر کے ساتھ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت پر تنقید کرتا ہے اس سے اس کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے ؎

۵ فتعساً لقوم فوضوا امرنفسهم الی ملك عن فعله لیس یسأل
فیا ملکا فی ظلم ظل مسرفا فلا الامن موفود ولا هو یعدل

الکلم المنظوم ص۸

زھاوی کی تنقیدوں میں مسلسل جوش اور تیزی پیدا ہوتی گئی اس نے والیوں پر شدید اعتراضات کرنے شروع کر دیئے کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ یہ لوگ اس ظلم و فساد میں برابر کے شریک ہیں جس سے عربی سماج بالخصوص عراق دوچار تھا، اس مشنیری نے عراقیوں سے دل و دماغ دونوں چھین لئے تھے اور جس نے عوام کو غربت، اخلاقی انارکی، جہالت کی تاریکی میں لوگوں کو دھکیل دیا تھا، اس دور کے عراقی سماج کا نقشہ بڑے دردناک الفاظ کے ذریعہ LONG NIGG اپنی کتاب FOUR CENTNRIES OF MODERN IRAQ میں کھینچا ہے، وہ ملک کی زراعتی بدحالی، انتظامیہ کی خرابی، عدلیہ کے فساد اور امن دامان کے فقدان کا تجزیہ کرنے کے بعد عثمانی حکومت کو کسی حد تک معذور سمجھتے ہوئے لکھتا ہے " ان تمام معذرتوں کے باوجود یہ حقیقت چھپ نہیں سکتی کہ عثمانی ترک کیچالڈین و ریسرین مملکتوں کے عالمی شہرت رکھنے والے زرخیز علاقوں کو دوبارہ فتح کرنے کے بعد اور سلطان کے نام پر چار صدیوں تک قابض رہنے کے بعد سے آج بھی جاہل اور پسماندہ رکھا وہ اپنے حکمراں سے خفا اور لاقانونیت کا شکار ہیں، اب بھی ترقی کی راہ سے دور ہیں، زھاوی نے اس پرخون کے آنسو بہائے ہیں، وہ پورے حکمراں گروہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

۶ قوم جفاۃ مالھم من رحمۃ — لولان صخر جامد ما لانوا
سلبوا القبائل مالھا بوسائل — لا یستطیع لخلقھا الشیطان
لم یرقنوا من بعد سلب ثرائھا — الا بان تھتک النسوان
ویجر المواطن انھا لبست بھم — ثوب الخراب فما بھا عمران
محقورۃ فی عینھم لا اھلھا — اھل ولا انسانھا انسان
تاللہ یا طمع الولاۃ عرفتنا — واکلت مالا یا کل الغرثان

الکلم المنظوم ص ۱۲۳ - ۱۲۶

زھاوی کی تنقید کا یہ لہجہ دوسری نظموں میں اور تلخ ہو جاتا ہے اس کے لہجہ میں تلوار کی سی تیزی اور براقی پیدا ہو جاتی ہے اس میں بغاوت کی چنگاریاں بھڑک کر شعلہ بن جاتی ہیں وہ رحم وانصاف کی بھیک بھی مانگتا ہے لیکن الفاظ کی تلخی مایوسیوں سے بھرپور ہے، لہجہ کے انداز میں کرختگی پائی جاتی ہے۔

۷ تانّ فی الظلم تخفیفا وھوینا — فالظلم یقتلنا والعدل یحیینا
یا مالکا امر ھذی الناس فی یدہ — عامل برفق رعایاک المساکینا
لھوت عنا بما اوتیت من نعمتہ — فالبیض لیلک واسودت لیالینا
أرضاک انا جھلنا کل معرفتہ — زمان جازی الوری فیہ المیادینا
ارضاک انا سکتنا عن مطالبنا — یا مالک الامر ما ارضاک یؤذینا

دیوان الزھاوی ص ۶۳

ترک حکومت کی سخت گیری اور جبر کے خلاف متعدد نظمیں زھاوی نے لکھی ہیں ان سے انیسویں صدی کے نصف آخر کے اندازِ فکر کا پتہ چلتا ہے جو پڑھے لکھے عربوں کے دماغ میں خلافت کے بارے میں پیدا ہو گیا تھا اس طرح ان کی ہمدردیاں پوری طرح اس نظام سے ختم ہو گئیں وہ آزاد قومی حکومت کا خواب دیکھنے لگے، زھاوی کے یہاں یہ خیالات کہیں مخفی اور کہیں واضح طور پر ملتے ہیں، یہ بات خاص طور پر توجہ کے قابل ہے کہ عراق خلافت عثمانی کا سب سے زیادہ پس ماندہ صوبہ تھا لیکن قوم پرستی کے تصورات، خلافت

سے بے اطمینانی کے جذبات اور اپنی دنیا آپ تخلیق کرنے کا حوصلہ پوری قوت سے وہاں پیدا ہو گیا تھا،
زھاوی اپنے معاصرین میں پہلا شاعر ہے جس کے یہاں ماضی سے بے توجہی، حال پر بے اطمینانی اور مستقبل
سے اس درجہ دلچسپی اور اتنی شدت سے پائی جاتی ہے اس میدان میں وہ اپنے تمام معاصرین سے آگے تھا،
قوم سے محبت اور وطن سے شیفتگی کے جذبات اسے اونچا و کامیاب دیکھنے کی آرزو زھاوی کی تمام نظموں
میں کم وبیش موجود ہے بالخصوص 'بین دجلۃ والفرات'، 'أنین الاوطان'، 'المستنصریۃ'، 'ایام بغداد'
اس صنف کی اچھی مثالیں ہیں۔

ترکوں، روسیوں اور یونانیوں کے مابین جو جنگ ہوئی اور اس کے نتیجہ میں پورے مملکت عثمانی
میں جو اثرات مرتب ہوئے بالخصوص عراق جس درجہ متاثر ہوا اس کو زھاوی متعدد نظموں میں بیان کرتا ہے
جنگ نے کتنے بچوں کو یتیم بنا دیا تھا کتنی عورتوں کے سہاگ لٹ گئے تھے اور معاشرہ کا ایک معتد بہ
حصہ اخلاقی و معاشی افلاس میں مبتلا تھا، زھاوی نے ان پہلوؤں کی عکاسی اپنی نظموں میں بڑی درد انگیز
انداز میں کی ہے۔ اس طرح اس کے محاکاتی شاعری کے نمونے بھی ملتے ہیں، 'ارملۃ الجندی' اس کی عمدہ
مثال ہے، یہ نظم پڑھ کر زھاوی کی قدرتِ بیان، تصویر کشی کی صلاحیت، جذبات کی پاکیزگی و وسعت کا
اندازہ ہوتا ہے ایک فاقہ کش بے نوا عورت جس کی جذباتی و ذہنی زندگی کا گلا آغازِ شباب ہی میں گھونٹ دیا
گیا ہو اس کے احساسات کیا ہوں گے زھاوی اس کی کامیاب عکاسی کرتا ہے ؎

۸ الا لیت امی تلدنی او انہا	ذ قتنی المنایا قبل انی اعقل
برضعت لمالی من حیاۃ فانہا	شقائی وان الموت فیھا لافضل
حیاۃ امر تھا الرزایا کانما	یمازجہا منہن صاب وحنظل
وعتبی علی الاقدار فہی بما جرت	بہ لم تکن استغفر اللہ تعدل
فیا موت زرہا ان الحیاۃ تعاسۃ	ویا نفس جودی ان دھرک یبخل

دیوان الزھاوی ص ۵۳

زھاوی کی ... اس شاعری کا دوسرا دور برطانوی اقتدار سے شروع ہوتا ہے، عالمی جنگ کے

بعد اتحادی طاقتوں نے مشرق اوسط کا جو حصہ بخرا کر کیا اس کے نتیجہ میں عراق برطانیہ کے حصہ میں آیا، برطانوی قبضہ سے عربوں کو اپنی سادہ لوحی کا علم ہوا۔ اُن کا خیال تھا کہ عثمانی اقتدار کے زوال کے بعد مغربی قومیں آزادی کا پیغام لائیں گی لیکن بہت جلد اس فریب کا پردہ چاک ہوگیا، اس موقع پر زہاوی جیسے باغیانہ فطرت کی خاموشی بلکہ سامراجی اقتدار کا استقبال عراقیوں کے لئے سخت تعجب کا باعث ہوا۔ اور جب اس کو 'مجلس معارف' کا ممبر بنایا گیا تو وطن پرستوں کے شبہات اور قوی ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زہاوی کی وطن پرستی شک و شبہ کی نظر سے دیکھی جانے لگی، اس پر طنز و تشنیع اور ہر طرف سے تنقید کی بوچھار ہوئی، ابتک لوگ اس کی آزادی خیال سے ناراض تھے مگر اب وطن سے وفاداری بھی مشکوک ہوگئی۔ یہ زمانہ اس کے عزم و تدبر کا بڑا آزمائشی دور تھا اس نے اپنی رباعیات کے مقدمہ میں جس انداز سے اس واقعہ پر روشنی ڈالی اس سے زہاوی پر الزامات کی اہمیت کم ہوجاتی ہے بلکہ میرے نزدیک بے معنی ہوجاتی ہے وہ لکھتا ہے " میں اپنی تقریروں میں حکومت کی تعریف کرتا تھا اور ملکی آزادی کے وعدہ کے بارے میں انگریزوں کے وعدہ کو یاد دلاتا تھا، میری تعریف سے عوام ناخوش ہوتے اور مطالبہ پر خوشی کا اظہار کرتے"

مزید لکھتا ہے " جب ۱۹۲۰ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت ہوئی تو اس کی بدانجامی کی بنا پر میں شریک نہیں ہوا۔ اس سے لوگ ناراض ہوئے لیکن اس کے بعد حالات اور خراب ہوگئے، سرولسن نے قوم کے نمائندوں کو جمع کیا اور ان کے ساتھ بغداد کے ممتاز اشخاص کو بھی بلایا میں بھی اُنہی میں سے تھا، میں گفتگو کے آخر میں کھڑا ہوا اور قوم کے نمائندوں کے ساتھ مکمل آزادی کے بارے میں اعلان کیا۔ صلح کی گفت و شنید ناکام رہی، نمائندوں میں سے کچھ لوگ گرفتار کرلئے گئے انھیں جلاوطن کردیا گیا اور کچھ لوگ گرفت سے بچ نکلے اور بعض بغداد ہی میں اطمینان سے رہے۔

جب مسٹر پیرسی کوکس نمائندہ ہوکر آیا تو اس نے وعدہ وعید کئے اور دھمکیاں بھی دیں چونکہ میں نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا تھا اس لئے میں نے عفو و درگذر کا مطالبہ بھی کیا کیونکہ اس نے بغاوت کو طاقت کے ذریعہ دبایا تھا، اس نے آزادی کا وعدہ کیا " ص ۱۷۵ مقدمہ دیوان زہاوی

اس سیاسی اقدام سے کبھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ زہاوی سامراجی اقتدار سے ایک لمحہ کے لئے بھی

خوش ہوا ہو، چنانچہ اس کے افکار وجذبات کے مجموعی پس منظر کو سامنے رکھ کر اس واقعہ پر غور کیا جائے تو اعتراضات کا وزن بھی ختم ہو جاتا ہے، پھر بھی عراق کے پڑھے لکھے طبقہ نے اس کو بے حد مطعون کیا، وہ اپنے دشمنوں اور بدخواہوں سے بہت پریشان ہوا کیوں کہ اسے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا، اس نے عاجز آکر عراق چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، اس زمانے میں شام بھی سیاسی کش کش کا آماجگاہ بنا ہوا تھا اس لئے اس نے مصر کا رُخ کیا، اس زمانے کی نفسیاتی ذہنی تکلیفوں کا اظہار وہ ان اشعار میں کرتا ہے:۔

۹ انا والحق فی العراق مضاعا ن وما فیہ غیرنا بمضاع

إذا جرت البقاع شقاء لمقیم فتلک شر البقاع

بامراح الصبا وارض شبابی ماطلبت الفراق لولا الدواعی

اللباب ص ۶۶-۶۷

ایک اور نظم میں وہ کہتا ہے:

۱۰ سارحل عن بغداد رحلۃ عائف فقد طال فی دار الهوان قعودی

واخرج من آلی ومالی و موطنی وما کان لی من طارف وتلید

ورأیت بھا بؤسا وشاهدت نعمۃ فلم استرح من شامت وحسود

وکالحت ایاما بھا ولیالیا تکرّان من بیض هناک وسود

وعشت فلم یرعذ لی العیش عندها وما خیر عیش لم یکن برغید۔

اللباب ص ۷۱

یہ اشعار ایک مخلص دردمند صاحبِ نظر انسان کے آزمائش پیہم سے گذرنے کا زندہ ثبوت ہیں، زھاوی کے لہجہ میں سوز وگداز تو پہلے ہی سے تھا مگر حالات کی تلخ آزمائشوں نے اس کو اور تیکھا بنا دیا تھا۔

اس کی سیاسی شاعری کا تیسرا دور ملکی حکومت کے بعد شروع ہوتا ہے، اس دور میں کچھ عمر کے تقاضہ اور بڑی حد تک حالات کی تبدیلی سے زھاوی نے اپنی شاعری کا رُخ دوسرے مسائل کی طرف موڑ دیا تھا، اب وہ ایک فلسفی کی طرح کائنات پر نظر ڈالتا ہے اور زندگی کے عظیم سوالات پر سوچنے لگتا ہے، زندگی کا آغاز وانجام

نیکی و بدی، صداقت وحقیقت اور انسانی جدوجہد کا تجزیہ کرتا ہے، ان مسائل پر وہ مطمئن نہیں ہوتا، تحیر و تشکیک کا شکار رہتا ہے وہ شوخیاں بھی کرتا ہے اس دور کے اشعار اس قسم کے سنجیدہ مسائل پر مشتمل ہیں، اس کی رباعیاں جو بڑی تعداد میں ہیں انھیں افکار و احساسات کی ترجمانی کرتی ہیں " ارواح البؤس والشقاء " " الاخلاق والسجایا " " الکون والحیاۃ " " الشک والیقین " کے تحت جتنی بھی رباعیاں ہیں ان پر اس کے گہرے فلسفیانہ تفکر کی چھاپ ہے، اس دور کے اشعار میں ایک اور رجحان نمایاں طور پر نظر آتا ہے، وہ عوام کو مغربی علوم وفنون کی تحصیل پر ابھارتا ہے کیونکہ مغرب نے اس کے ذریعہ انفس وآفاق کی تسخیر میں سبقت حاصل کی ہے، وہ مغربی تہذیب کے جاندار تصورات کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ آزادی، مساوات اور نشاطِ قومی پر زور دیتا ہے، مشرق ومغرب کا موازنہ بڑے لطیف پیرایہ میں کرتے ہوئے کہتا ہے:- ؎

۱۱ قد طال للغرب فوق الارض سلطان وطال فی الشرق اقرار و اذعان
الغرب فیہ نشاط خلف حاجتہ لیسعی لیبلغہا والشرق کسلان

مزید کہتا ہے ؎

۱۲ الغرب یشغلہ حال ومترتبۃ والشرق یشغلہ کفر وایمان
الغرب عن بنوہ ا ینما نزلوا والشرق الا قلیلاً اہلہ ھانوا الثالثہ ۱۰

اس موقع پر فطرتاً یہ سوال ابھرتا ہے کہ کیا زھاوی ملکی حکومت کے دور میں اس نظام حکومت سے خوش تھا، کیا شہنشاہیت مسائل کا حل تھی؟ اس سلسلہ میں اس کے اشعار پر زور تردید کرتے ہیں، وہ کہتا ہے۔ ؎

۱۳ الشعب بالغبن لثقیل وکیل حتی یکاد اذا تحرک یقحل
للبعض کوخ واطئ ولبعضہم صرح کما شاء النعیم ممرد
ھذا لیفا جعہ الردی وذاک فی شغب نیام وقد اقض المرقد

الاوشال ص ۶۴

(باقی)